نہ عفت...... نہ شہاب بھائی......

سنا ہے دانش کا سلسلہ کبھی ٹوٹتا نہیں۔ حسین زنجانی کے جانے سے پہلے حضرت داتا علی ہجویری کو لاہ
آرڈر مل جاتا ہے۔ یہ سلسلہ بھی پشت در پشت چلتا ہی چلا جاتا ہے۔ امید قائم رکھنے والے سلامت رہیں۔

(ڈیرے پر نوجوان نے آ کر کہا، میں ترکِ دنیا کرنا چاہتا ہوں اور فقیری اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ یہ
بکھیڑے، یہ ساز و سامان، یہ لشم پشتم میرے بس کا روگ نہیں۔ جواب دیا گیا رہبانیت زندگی کے منافی ہے۔
راہب کو فائدہ پہنچتا ہے نہ اس کے اردگرد کی دنیا کو۔ ہمارے دین اسلام میں اس کی سخت ممانعت ہے۔)

خاں صاحب کہا کرتے...... "ہمارے گھر کو تو چاہیے ہر وقت سجدے میں رہے۔ وہ کونسی نعمت ہے جو
رب نے ہمیں دے نہیں رکھی۔ ہم اس سے اور کیا تقاضا کریں قدیہ۔"

کبھی کبھی کہتے "جب اللہ یوں بھر دے تو پھر آدمی کبھی اوپر کے طبقے کو نہ دیکھے ہمیشہ نیچے والوں میں
رہے۔ جہاں نعمتیں کم ہیں۔ ویسے بھی باباجی نور والے فرمایا کرتے تھے۔ "امیر آدمی کی خدمت میں رہنا اپنا
وقت ضائع کرنا ہے۔"

چند دنوں سے میں ایک عجیب الجھن میں مبتلا ہوں۔ ہمارے یہاں کلچر پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ کلچر کی
اپنی Roots کی تلاش کو دین سے مقدم گردانا جاتا ہے۔ لیکن......

1- دین انسانیت کو آگے کی طرف لے جاتا ہے اور کلچر ماضی کی طرف۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ سورۃ رحمٰن
سورۃ یٰسین میں مجھے ایک آیت ایسی بھی نظر آئی جس کا مطلب یہ ہے کہ "اللہ کو ہر روز ایک نیا کام ہے۔" اس
دین کا آگے ہی آگے بڑھتے جانا ثابت ہے۔

2- جب ہم کلچر کی بات کرتے ہیں تو ساگ روٹی، بیل گاڑی کا سفر، ہاتھ کی پنکھی، پرانے کنوئیں کا
میلے ٹھیلے، پنگھوڑے جھگڑے یاد کرتے ہیں۔

3- جب ہم اپنی روٹس کی طرف مراجعت کرتے ہیں تو ہم حاکم کو سجدہ کرنے، سونے کے کنگن پہنے
پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کرنے اور بیوہ کو ستی کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

4- حضور سائیں صاحبؒ اس سلسلے میں پیوند کا ذکر کیا کرتے تھے۔ جب پیوند لگ گیا تو زندگی
علیحدہ ہو کر حال سے وابستہ ہو گئی۔ ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ جاہلیہ کی رسوم ختم ہو گئیں۔

ڈیرہ پاک پر میری موجودگی میں حضور نے تین مرتبہ اس (پیوند) کا ذکر کیا مگر میں ہر مرتبہ ان سے دور
ہونے کی وجہ سے ان کے الفاظ ٹھیک سے catch نہ کر سکا۔ پھر حضور کا بیان ایسا ہوتا تھا کہ چند جملے بول کر چپ ہو جاتے
تھے۔ بہت سی باتوں کو ان کے سیاق میں جوڑنا پڑتا تھا۔ اس کام میں آپ ہی ہمارے موہڈی تھے۔ اس لیے ہم
آپ سے رجوع کر لیا کرتے تھے۔ اب بھی آپ کی ویسی ہی ضرورت ہے۔

(خاں صاحب کے کاغذات)

یہ چاند، سورج کا طلوع و غروب محض وقت کے احساس کی اکائی بنا لیے گئے ہیں اور ہم وقت کو ایک خارجی

...فرض کریں کہ چاند سورج نہ ہوں تو کیا ہو۔ صرف اندھیرا، جو کہ مسلسل ہوگا تو گویا پھر ایک ہی جیسی کیفیت میں وقت گزرنے کا احساس کیسے ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انسان کا بچپن، بڑھاپا وقت کے چلنے کا احساس دلائیں مگر انسان کی عمر میں تبدیلی کا یہ عنصر ختم کر دیا جائے تو پھر وقت کا احساس کیسے ہوگا۔ گویا Timelessism ایک جیسی کیفیت بھی Physical State کو کہا جائے گا۔

یہ فرق زمان و مکاں میں قید اور آزاد کرتا ہے۔

دراصل وقت ایک صدوری کیفیت ہے۔ یہ کہنا کہ کائنات ارتقاء میں ہے، غلط ہے۔ وقت صرف انسان کی کیفیت ہے۔ اس کی ذات کے علاوہ کوئی چیز بھی اس اندرونی کیفیت سے باہر نہیں۔ تغیر اور ارتقاء اندرونی واردات ہیں۔ ہر واردات میں نوعی سراپا کی نقلیں افراد کی شکل میں چھاپتی ہیں۔ چھپائی اندر رفتار میں ہے۔ اس رفتار کا نام ہے۔ اگر اس رفتار میں کمی بیشی ہو جائے تو اندر لنگڑا، لولا، اندھا چھپنے لگتا ہے۔ حوادث اسی طرح رونما ہوتے ہیں۔
جب عارف کا ذہن ایک لمحے کے لیے صدوری کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے تو بے اعتدالیاں دور ہو جاتی

ارشاد: سائیں کے پاس بیٹھا ہوں کہ ایک لنگڑا آدمی وہاں سے گزرتا ہے جو سائیں سے فریاد کرتا ہے، اسے ... دیا جائے۔ سائیں ایک نظر اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔
ارشاد: اس واقعہ کی توجیہہ دریافت کرتا ہے تو وہ اس کو مندرجہ بالا وضاحت دیتا ہے یعنی سائیں چھپائی کی رفتار ... کر دیتا ہے۔

کسی کا دیوار یا کسی اور ٹھوس چیز سے گزر جانا۔

کائنات میں کشش ثقل ہی سب کو تھامے ہے اور اشیاء اسی ثقل کے باعث ایک دوسرے کی حرکت میں ... پیدا کرتی ہیں لیکن ثقل لطیف اشیاء کے راستہ میں زیادہ رکاوٹ نہیں بنتی۔ اس طرح اگر کسی کا دماغ تجلی الٰہی میں ... ہو جائے جو کہ نہایت لطیف ہے تو جسم ذہن کے تابع ہونے کی وجہ سے ثقل کی منزل سے آگے چلا جاتا ہے۔ اس ... ٹھوس اشیاء میں سے انسان گزر جاتا ہے۔

ایک سے زیادہ جگہوں پر ایک ساتھ نظر آنا۔

اس کی مثال فوٹو ہے۔ اس میں پہلے نیگیٹو تیار کیا جاتا ہے۔ پھر پوزیٹو بنایا جاتا ہے۔ ایک نیگیٹو سے ہم جتنی ... تصویریں تیار کر سکتے ہیں۔ یہی حال روح کا ہے۔ روح ایک Negative ہے اور گوشت کا جسم اس کا پوزیٹو۔ اگر ... شخص کے ذہن کا Lense مصفیٰ اور طاقتور ہے تو چاہے تو وہ خود کو یعنی روح کو پوزیٹو کی شکل میں کئی جگہ ظاہر کر سکتا ہے۔ ... مثال ٹی وی ہے۔ اولیاء اللہ اس علم روح کی نشریات کو بیک وقت کئی سکرینوں پر متحرک کر دیتے ہیں۔

روح

پوری کائنات اور اس کے اندر تمام مظاہرات ایک سرکل میں سفر کر رہے ہیں اور ہر شے دوسری سے متعارف ہے۔ تعارف کا یہ سلسلہ خیالات پر مبنی ہے۔ کائنات کی ہر شے دوسری کو "فکر" کی لہروں کے ذریعے سے جانتی ہے۔

سائنس دان روشنی کو تیز ترین سمجھتے ہیں مگر تفکر کی لہریں ان فاصلوں کو حاضر ہی نہیں سمجھتی جن کو روشنی کم کرتی ہے۔ اس میں حضرت سلیمانؑ کی مثال دی جاسکتی ہے۔ جب انہوں نے ملکہ سبا کے آنے سے پیشتر اس کے تخت کو منگوانے کو کہا نے کہا کہ میں آپ کے دربار برخاست ہونے سے پہلے وہ لاسکتا ہوں جبکہ ایک اہل علم نے پلک جھپکنے میں وہ تخت دیا۔

دراصل اس آدمی کے خیال کی لہریں تخت کے اندر کام کرنے والی لہروں میں جذب ہوکر تخت کو منتقل ذریعہ بن گئیں۔ اس طرح حیوانات اور جمادات صرف تفکر کی لہروں سے گفتگو کرتے ہیں۔ سائنس نے کائناتی تفکر نام دیا ہے۔ تصوف میں اس کو روح کا نام دیا گیا ہے۔ مکمل موت نہ توانائی پر وارد ہوتی ہے نہ روح پر۔ روح کو جو علم گیا ہے وہی خیالات، تصورات اور احساسات بنتا ہے۔ یہ دونوں لہروں اور شعاعوں پر ہر وقت مصروف عمل رہتے ہمارا ذہن ان لہروں کو پڑھنے اور ان کو حرکت دینے پر قدرت حاصل کرلے تو ہم کائنات میں تصرف کرسکتے ہیں۔

دریائے وحدت

چاروں طرف آسمان کے اوپر دائرے میں نور کا دریا بہہ رہا ہے۔ یہ دنیا سے بالکل قریب ہے۔ یہ وحدت ہے، اس میں سے آواز آتی ہے..... ”لوگو! اٹھو۔ میں تم سے بہت قریب ہوں۔ جاگو تاکہ میں تمہاری مشکل کروں۔ تم پر رحمت کروں۔“

اس میں لوحِ محفوظ کا ایک مقام ہے۔ یہاں سے اللہ کے احکامات دنیا پر نازل ہورہے ہیں۔ یہ شکل میں ہیں۔ اس مقام پر دنیا کے ہر فرد کے متعلق احکامات کا ذخیرہ ہے۔ اس ذخیرہ سے روشنی کی لہریں دھار نکل کر اس فرد کے اندر داخل ہورہی ہیں۔ یہ تمام نظام آٹومیٹک ہے (کُن کُن کُن کُن .....) جہاں سے آٹو تحت روشنیاں (احکامات کی) ہر ہر فرد تک پہنچ جاتی ہیں۔

تجلی ذات کے نقطہ وحدانی سے 11,000 صفات الٰہیہ کی روشنیاں حکم کُن کے ذریعے نکلتی ہیں اور میں تقسیم ہوجاتی ہیں یعنی 12 ستارے، 12 برج بن گئے اور ایک برج میں اس ستارے کے ماتحت اربوں ستارے آگئے اور ان سب کو برج کے لیڈنگ ستارے سے روشنی تقسیم ہوتی ہے۔ اس طرح ایک ایک نقطہ وحدانی بارہ برج ہیں۔ اس سے کائنات کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ خیال بھی کہ کیا اتنی بڑی کائنات میں محض ہماری پر زندگی ہے؟ نہیں بلکہ ہزاروں عالمین اور ہیں۔ ہر عالم کا ایک جداگانہ رنگ ہے۔ جیسے ہماری زمین پر آسمانی رنگ ہے کیونکہ ہر عالم میں مختلف صفات کام کررہی ہیں۔ اس لیے رنگ مختلف ہیں۔ زمین ہی کی طرح زندگی، باغات ہیں۔ ہر شے کی حقیقت اللہ کی نگاہ میں ایک ہے۔ روزِ ازل سے اللہ نے ہر شے کو جس قانون اور فارمولے سے پیدا کیا تھا۔ اس میں ابد تک کسی ردوبدل کا اندیشہ نہیں۔ عالمین میں ہر شے کا وہی متعین فارمولا ہے جو ازل میں اس شے کی حقیقت ہے۔

درود شریف

درود شریف ایک خاص نور کی دھار ہے جو خاص تناسب رکھتی ہے۔ جب اسے پڑھا جائے تو یہ لہر فوراً

تک پہنچ جاتی ہے اور حضورؐ اس شخص کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ درود شریف روشنی کی وہ لہر ہے جس کا کنکشن حضور سے ملتا ہے۔

اگر ڈرامے میں درود شریف پڑھاتے دکھائی دے تو اس طرح کہ لائن میں لوگوں کے ہاتھوں میں دیئے ہوں یا نظر آئیں اور جیسے جیسے وہ شخص درود شریف پڑھے۔ایک کے بعد ایک بلندی کی طرف رہے۔ روشن ہوں اور آسمان روشنی جائے۔ (اندھیرے میں) یا مدینہ منورہ کی طرف جاتے ہوئے دکھایا جائے۔

اگر آپ نور کی فضا کائنات میں دکھائیں تو ایسے کہ ایک کالی چادر یا کاغذ پر "محمد ﷺ" چمکیں ترکیں اور اس سے دکھائیں کہ کائنات پر محیط نظر آئے اور ہر لفظ سے روشنی کی لہریں نکل کر لوگوں تک پہنچ رہی ہوں۔ جب خدا نے بنائی تھی اس سے بہت پہلے یہ لفظ نور کی فضا میں لکھ دیئے گئے تھے۔

اگر آپ یہ دکھانا چاہیں کہ سائیں یا صاحب ارشاد کسی کو نسبت دے رہے ہیں تو نسبت عطا کرنے والے کے روشنی کی لہر دوسرے کے دل میں جذب ہو جائے گی۔

لائٹوں کے ذریعے سر کے اوپر روشنیاں ڈال سکتے ہیں۔ اگر ارشاد دائرے میں ہے، اس کے اطراف دائرے روشنیاں حرکت کرتی ہوئی دکھائیں یا کیمرے میں پتلی روشنی کی دھار جو باریک ٹارچ سے ڈالی جا سکتی ہے، جو جلتی بجھتی کبھی ایک طرف کبھی دوسری طرف۔

کیونکہ روشنیاں باشعور ہیں۔ وہ گفتگو بھی کرتی ہیں۔ آپ ارشاد کی کسی روشنی سے گفتگو دکھا سکتے ہیں۔ روشنی نکل رہی ہو۔ آپ دل کی صفائی ایسے دکھا سکتے ہیں کہ پہلے دل کو کالا دکھائیں، پھر نور سے وہ آہستہ آہستہ سفید چمکدار ہو جائے۔

لطائف ستہ سے ہر شخص روشنی حاصل کرتا ہے جو کہ تصوف میں کام آتی ہے۔ سائیں اپنے لطائف ستہ سے روشنی دے سکتا ہے۔ ان مقامات سے روشنی کی دھاریں نکل کر ارشاد میں جذب ہو سکتی ہیں۔

آپ ارشاد کو یا کسی کو نور کے دریا میں دکھا سکتے ہیں۔ سفید دھوئیں میں ڈوبا ہوا دکھا دیں۔

آپ مختلف رنگوں کی روشنیاں دکھانے کے لیے اندھیرے میں مختلف رنگ کے بلب استعمال کر سکتے ہیں۔

آپ نور کی بارش دکھا سکتے ہیں۔ لائٹ آبشار کی طرح گرے۔

تصوف کا طریقہ یہ ہے کہ سائیں یا مرشد اپنے دل میں ارشاد کے دل کی طرف لائٹ بھیجتا ہے۔ یہ دھاریں جمع ہوتی ہیں تو جس پر پڑتی ہیں اس میں Charge پیدا کرتی ہیں جیسے کوئی بیمار ہے، اس کے دل پر جا کر اس کے دل میں حرکت پیدا کرتی ہیں۔

آپ کسی کو ایسا خواب دیکھتا دکھائیں کہ وہ لائٹ کی دھار پر چڑھتی ہوئی آسمان پر پہنچے۔ ایک کمرہ میں داخل ہو جہاں بہت سے لوگ مشینوں پر ہوں۔ دیوار پر تصویریں ہوں۔ وہ ان سے پوچھے کہ یہ تصویریں کیوں ہیں تو وہ دکھائیں کہ اس طرح تصویر ڈال کر ہم روزانہ اس شخص کے اعمال کا جائزہ لیتے ہیں۔ مومن کی تصویریں کمپیوٹر میں ڈالیں تو جلدی جلدی اس کی زندگی ٹی وی پر دکھائیں اور بتایا جائے کہ ہم انسان کے اعمال کے مختلف خانے ہیں اور ہم روزانہ اس میں اس کے

اعمال کی Marking کرتے ہیں۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ اسے اصلاح کی طرف لائیں۔

خواب اور بیداری میں فرق

ہماری روح کی بناوٹ ایسی ہے کہ وہ ہر لمحہ مضطرب ہے۔ دن میں تو ہم کام کرتے ہیں مگر رات کو جب سوتے ہیں تب یہ روح اپنے لباس میں یعنی جسم مثالی کی شکل میں حرکت کرتی ہے اور تمام کام کرتی ہے مگر ہمارا جسم چونکہ سویا ہے، اس لیے اسے خواب کا نام دیا جاتا ہے۔ مادی جسم کششِ ثقل میں قید ہونے کے باعث محدود ہوتا ہے جبکہ جسم لطیف ہونے کے باعث کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آسانی سے پہنچ جاتا ہے۔

زمان و مکاں کی تھیوری کو ڈسکس کریں، جو کہ پہلے والے پیپرز میں تفصیلاً ہے۔

دراصل زمان و مکاں ایک دوسرے کے ساتھ چپکے ہیں۔ ایک سکے کے دو رخ ہیں اور مکانیت، زمانیت طرح سے بیل بوٹے بنے ہیں اور یہ ایک مشین پر ایک ساتھ چھپ رہے ہیں۔

واقعہ سورج

تیز رفتار سواری ہو تو وقت کم لگتا ہے۔

یہ تمام کائنات اللہ کے نور سے بنی ہے اور ہر شے میں اللہ کا نور مختلف متعین مقداروں میں کام کر رہا ہے۔ چاند ستارے سب اللہ کے نور سے روشن ہیں۔

اس کائنات میں مختلف لہریں کام کر رہی ہیں۔ ان میں سب سے اہم اور تیز رفتار، تفکر کی لہریں ہیں۔ کائنات قائم ہے۔ اسی کے ذریعے سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تفکر کی لہر فرش سے عرش تک ایک لمحہ میں اور یہی لہر تصرف کی قوت حاصل کر کے انسان کو عرش تک پہنچا دیتی ہے۔

زمان و مکاں Related ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ آپ کو پیدل جانے میں جتنا وقت لگتا ہے سائیکل رکشہ، جہاز استعمال کریں تو وقت اتنا ہی کم ہو جائے گا، فاصلہ وہی رہے گا۔

کششِ ثقل کا قانون

تخلیق کا قانون ہے کہ مرد اور عورت دونوں کا وجود دو رخوں پر قائم ہے۔ اگر آدم میں حوا نہ ہوتی تو پیدائش ناممکن تھی۔ دوسری مثال مریم سے حضرت عیسیٰ کی ہے۔ فرد میں ایک پرت مغلوب اور دوسرا غالب رہتا ہے۔ مغلوب ادھورا پرت اپنے آپ کو مکمل کرنے کے لیے دوسرے کی تلاش میں رہتا ہے۔ اسی سے جنس مخالف میں کشش کرتا ہے۔

زمان ماضی ہے۔

سمجھا جاتا ہے کہ زمانہ گزرتا ہے حالانکہ زمان ماضی (ریکارڈ) ہے حال اور مستقبل ماضی کے اجزاء ہیں۔ جو کچھ ہونے والا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو گیا ہے۔ زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں۔ زمان متواتر (اتوار، پیر.....) شعوری ہے۔ دوسرا وہ جہاں زماں لاحساب ہے جیسے کہ خواب ہیں۔

اصل میں زندگی کی فلم بنا لی گئی ہے اور اب لوحِ محفوظ سے سکرین پر ری پلے کی جا رہی ہے۔

جیسے سینما میں ہم فلم میں ماضی، حال، مستقبل کا سوچتے ہیں مگر اصل میں تمام فلم ماضی میں بنتی ہے۔ یہی حال قدرت کو چلایا جا رہا ہے، سب کردار اپنا کام کر رہے ہیں۔

قدرت اللہ شہاب کا خط اثیر کے نام

لندن

11 فروری 1983ء

پیارے بیٹے اثیر! السلام علیکم۔ تمہارا خط ملا۔ کئی بار پڑھا۔ افسوس صرف یہ ہوا کہ یہی صورت حال پہلے ہی بتا دی میری مانو تو کسی عامل یا مجذوب وغیرہ کے پاس جانے، ان سے کچھ کھانے پینے یا تعویذ لینے کی ہرگز ہرگز کوئی نہیں ہے۔ ارے بیٹا! اگر کسی لڑکی سے محبت ہوگئی تو کیا ہوا لیکن اس سے آگے تم نے پوری طرح نہیں لکھا کہ کیا ہے اور کس نوعیت کی ہے۔ مجھ کو ذرا اور Confidence میں لے کر پوری طرح بتاؤ کہ مصیبت کیا ہے جسے تم سے محسوس کر رہے ہو؟ اس کے بعد ہی تفصیل سے کوئی مزید مشورہ دے سکوں گا۔

یوں وساوس کی حد تک کسی پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔ آتے ہیں تو آنے اور گزر جانے دو۔ ان کی طرف بھی نہ دو۔ نماز، سورہ حشر کی آخری رکوع کی آیات باقاعدگی سے پڑھتے رہو لیکن اعتدال کے ساتھ، بہت زیادہ نہیں۔

زندگی کی مسرتوں کی اصلی کنجی اعتدال میں ہے یعنی ہر چیز میں نارمل رویہ اختیار کرنے کی۔ عبادت میں بھی، ی، دیگر ہر شے میں بھی۔

میں تمہارے اگلے خط کا بے چینی سے انتظار کروں گا۔ اس وقت تک انشاء اللہ میں آنکھ کے آپریشن سے بھی چکا ہوں گا۔ اگر تم واقعی مجھے اپنے Confidence میں لینے کے قابل سمجھتے ہو تو ضرور لکھنا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے اللہ تمہاری کوئی ایسی پرابلم یا مصیبت نہ رہے گی جو حل ہو کر بہت جلد دور نہ ہو جائے۔ فی الحال کالج کی پڑھائی چیز میں مقدور بھر نارمل حد تک دل لگائے رکھو۔ تمہارے لیے دل سے دعا کرتا ہوں۔ میرے لیے بھی دعا کرنا۔

تمہارے اگلے خط کا جواب انشاء اللہ زیادہ تفصیل سے لکھوں گا۔

نانا، اشفاق اور بانو کو سلام۔ نوقی اور کیسی کو پیار۔

تمہارا

قدرت اللہ شہاب

برکلے ایکسچینج

Berkeley Exchange

ابھی ہمیں داستان سرائے میں آئے بمشکل چار سال ہوئے تھے کہ برکلے Exchange کے تحت ہمارے میں ایک نئی تبدیلی رونما ہوئی۔ ڈیرہ پاک پر آپ نے شمس سے ملاقات کر ہی رکھی ہے لیکن اب کچھ سالوں کے لیے گھر پر گویا امریکیوں کا راج ہو گیا۔ برکلے سے شاگردوں کا تبادلہ پاکستان اور پاکستان سے ادیبوں' طالب علموں کے قابل ذکر لوگوں کو امریکہ سے متعارف کرانے کا پلان تھا۔

خاں صاحب اس پروگرام کے تحت 1963ء میں مدعو ہو چکے تھے۔ اب میزبانی کی ہماری باری تھی۔ پاکستانی گھروں میں بطور مہمان رکھنا' انہیں اُردو پنجابی سے یہاں کے رسم و رواج، رہن سہن سے شناسائی عطا کرنے روپے پیسے کی پہچان عطا کرنے کی یہ ایک معمولی سی کوشش تھی۔ مجھے اس پروگرام کی تفاصیل معلوم نہیں تھیں نہ مجھے انفرمیشن ہی لینے کی عادت تھی۔

ایک دن خاں صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے "قدسیہ! مجھے معلوم ہے تمہارے پاس کام زیادہ میں کمٹ ہو چکا ہوں۔ تمہارے پاس کل ایک مہمان آئے گا۔"

"ٹھیک ہے آنے دیں..... بس اُسے یہ بات ضرور بتا دیں کہ میں اُسے گفتگو سے entertain نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے..... ویسے بھی وہ پڑھنے لکھنے کا شوقین ہے۔ اپنے میں مگن رہے گا۔ کبھی کبھی میں اُسے ذرا لے جایا کروں گا۔"

باب ہیز پہلے غالباً Y.M.C.A. میں اُترا۔ پھر خاں صاحب اُسے گھر لے آئے۔ ابھی شہاب صاحب کا سنی کمرہ خالی تھا۔ باب کو اس میں ٹھہرا دیا گیا۔ دُبلے پتلے دراز قد مہمان سے متعارف ہونے میں دیر نہ لگی۔ اُس نے کسی کھانے کے لیے اصرار نہ کیا نہ مجھ سے کسی چیز کی فرمائش ہی کی۔ مجھے ایک واقعہ اچھی طرح سے یاد ہے۔ روزوں کے دن تھے۔ بچے تک پابندی سے روزے رکھ رہے تھے۔ میں دوبارہ صبح اُٹھ کر باب کے لیے

یہ ناشتہ عموماً انڈے پراٹھے تک محدود ہوتا۔ کبھی کبھار اس میں مکھن توس کا اضافہ کر دیا جاتا۔ میں ناشتے پر اُس بیٹھ جاتی، کبھی بچوں کو خدا حافظ کہنے گھر کے کام کاج میں مصروف ہوتی تو وہ اکیلا ہی ناشتہ کر لیتا۔

ایک دن صبح وہ برآمدے میں آیا۔ خاں صاحب اُردو بورڈ جانے والے تھے۔ باب نے اشارے سے اُنھیں ... سے انگریزی میں بولا..... ''اشفاق! کل سے میں آپ لوگوں کے ساتھ سحری کھاؤں گا اور رات کو روزہ افطار ...''

''او ناں بھائی ناں۔ تم اپنا معمول جاری رکھو۔ ایسی مصیبت کی ضرورت نہیں۔''

''لیکن میں ایسا کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو کیا تمہارا عقیدہ بدل گیا ہے؟ مسلمان تو نہیں ہو گئے کہیں؟''

''جی نہیں! ابھی تک نہیں..... ابھی تک میں Eck Anker کی تعلیم پر کاربند ہوں۔''

''پھر یہ روزے کس لیے؟''

''بات یہ ہے خاں صاحب! کہ اسی کام کے لیے تو میں پاکستان آیا ہوں۔ یہاں کے رسم و رواج کو قریب سے ڈوب کر دیکھوں..... اور غور سے دیکھنے کے لیے عمل میں داخل ہونا ضروری ہوتا ہے۔''

لو جی طے ہو گیا۔ باب نے بڑے اطمینان سے روزے رکھے اور سحری اور افطار ہم لوگوں کے ساتھ مل جل کر ... سے کھاتا رہا۔ عید سے کچھ دن پہلے جب بچوں کے عید کے جوڑوں کی تیاری شروع ہوئی تو خاں صاحب نے ''باب سے پوچھ لو اُس کے لیے کیا چاہیے۔''

''جانے دیں خاں جی..... ہم اس طرح کی مہمان نوازی afford نہیں کر سکتے۔ پھر وہ نہ جانے کس مذہب کا ہے۔''

''بھائی! وہ Paul Tillich کا پیروکار ہے جس نے انسان کی روح کی تربیت کا طریقہ ایک تختی رپیز ارگرو ... اس میں گرو کی بہت اہمیت ہے۔ مرشد کی توجہ سب کچھ ہے..... آج کل ڈارون نامی ایک امریکن پال ٹلش کا ... ہے اور باب اُسی کا چیلا ہے۔''

''لیکن مجھے کیا لینا ہے ڈارون سے یا ٹلش سے۔ جس راستے پر جانا نہیں اُس کا نام کیا لینا۔''

لیکن باب سے کپڑوں کے متعلق بات کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ دوسرے دن وہ میرے پاس باورچی خانے ... پھر کہنے لگا..... ''بانو! کیا آپ میرا ایک کام کر سکتی ہیں؟''

''کیا باب؟''

''مجھے عید کے لیے ایک شلوار قمیض بنوا دیں گی۔ میں پیسے دے سکتا ہوں۔''

''وہ کیوں باب؟''

''میں خاں کے ساتھ عید گاہ جاؤں گا۔ سب کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔''

''مجھے اس ادا پر تعجب تو ہوا لیکن میں نے ازراہِ تفنن کہا ''اچھا تو بھلا کیا رنگ پسند کروں..... گہرا سبز بنوا دوں؟''

''گہرا سبز بھی برا نہیں..... یہ گھاس کا درختوں کا خدا کی روئیدگی کا رنگ ہے لیکن مجھے ہلکا نیلا رنگ پسند ہے آسمان کی طرح بے گراں بے پناہ۔''

''جی.....؟ لیکن روزِ قیامت یہ گلابی ہو جائے گا..... تو گلابی میں کیا ہرج ہے باب؟''

وہ مسکرایا..... ''لیکن روزِ قیامت تو ابھی آیا نہیں۔''

باب ہیز کا جوڑا مع ٹوپی کے تیار ہو کر آ گیا۔ عید کے روز سب صبح ساڑھے سات بجے عیدگاہ جانے کے تیار ہوئے تو آہستہ سے انیق بیٹے نے خوف بھری آواز میں کہا ''مجھے عید کی نماز پڑھنا نہیں آتی۔''

ابو نے تو پتہ نہیں یہ بات سنی یا نہ سنی۔ باب ہیز فوراً بولا..... ''انیق! تم کو کچھ نہیں کرنا بس مجھے دیکھتے جانا میں رکوع میں جاؤں تم بھی چلے جانا..... جب میں سجدہ کروں تم بھی سجدہ کر لینا۔''

شاید خاں صاحب بھی یہ Ritual بھول چکے تھے۔ اُن کے لیے بھی سہولت ہو گئی۔

ہمارے گھر میں یہ رواج ہے کہ عید کے دن میں ڈرائنگ روم کے دروازے پر قرآن کریم لے کر کھڑی ہوں۔ جونہی مرد حضرات مسجد سے لوٹتے ہیں، وہ اس قرآن کریم کے نیچے سے گزر کر مجھے عید مبارک کہتے ہیں وصول کرتے ہیں۔ اس میں عمر کا التزام ضرور رکھا جاتا ہے۔ یعنی سب سے پہلے گھر کا سب سے بڑا داخل ہوتا ہے قطار میں باری باری سب آ جاتے ہیں۔

ڈرائنگ روم میں ہی دو چھوٹی میزوں پر پیٹرولی کے اُوپر سویاں، نمکین دال اور سموسیاں وغیرہ پہنچ جاتی ہیں۔ مسجد سے واپسی پر قرآن کریم کے نیچے سے گزر کر اپنی اپنی عیدی وصول کر کے سارے مرد کھانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

جس عید پر باب ہیز مسجد گیا تھا۔ وہ بھی خاں صاحب کے ساتھ واپس لوٹا۔ پہلے خاں جی اندر داخل ہوئے باب۔ اس کے بعد ترتیب وار تاجدار، غفار، شار گھر کے اندر آئے۔ سب نے سادہ چیزیں کشمیری چائے کے ساتھ فرمائیں۔ بچوں نے سویاں سموسیاں کھانے کے بعد شربت پیا۔ انہیں ابھی کسی قسم کی چائے کا چسکا نہیں پڑا تھا۔ سادہ چائے۔

سردیوں کے دن تھے۔ پچھلی لان میں بڑی خوشگوار گرم دھوپ پڑتی تھی۔ کبھی کبھی میں بال دھو کر لیے باہر آ بیٹھتی۔ یہیں بیٹھ کر شفو جی اور میں مونگ پھلیاں اور ریوڑیاں اور عموماً گنے چوسا کرتے تھے۔ اسی لان میں بچے کرکٹ کا شوق پورا کرتے۔

ایسی ہی بیٹھکوں کے دوران باب مجھ سے Sandy کی باتیں کیا کرتا۔ وہ شادی کیے بغیر سینڈی کے ساتھ تھا۔ دونوں اکٹھے سفروں پر جاتے۔ ہوٹل کے ایک ہی کمرے میں بسیرا کرتے اور اس Living together پر نہ والدین نہ اُس کی اپنی ذات ہی نے کبھی کوئی اعتراض کیا تھا۔

باب ہیز کو اپنے والدین سے بڑی شدید محبت تھی۔ وہ بڑے لاڈ سے اُن کی باتیں کیا کرتا۔ لیکن کبھی بھائی بہن کا ذکر میں نے کبھی اُس کے منہ سے نہیں سنا۔

ان ہی دنوں میری کتاب ''امربیل'' کی رونمائی ہوئی۔ میں شہرت' نام ونمود کی خواہشمند نے ایک روز فیض سے استدعا کی کہ وہ میرے اس فنکشن کی صدارت کر دیں۔

''ہاں بھائی ہمیں تمہاری کتاب پڑھنی پڑے گی۔''

''تو پڑھ لیں کچھ ایسی بری بھی نہیں۔''

''چلو پڑھ لیں گے۔'' فیض صاحب نے ان مانے جی سے صدارت کے لیے حامی بھر لی۔

اور فنکشن کا دن آ پہنچا۔ الحمرا ہال جو ان دنوں چھوٹا سا تھا' اس میں فنکشن ہوا۔ باب ہیز نے اپنے طور پر از خود لکھنے کی آفر دی۔

مضمون پڑھنے والے کم تھے۔ فنکشن غریبانہ تھا۔ البتہ خاں صاحب اور باب ہیز نے میری حوصلہ افزائی پُر جوش کی۔ باب کا مضمون پڑھ لیجیے اور پھر اپنا سا اندازہ لگا لیجیے کہ ہماری میزبانی کا اُس نے کیسے صلہ دیا؟

''باوجود اس کے کہ میں بانو قدسیہ کو بہت تھوڑے عرصے سے جانتا ہوں' لیکن ان کی شخصیت ایسی ہی ہے۔ ملنے پر محسوس کرنے لگتا ہے جیسے وہ ہمیشہ سے انہیں جانتا ہو۔ گو اتنے تھوڑے عرصے میں کسی کے متعلق کچھ جاننا اور کسی رائے کرنا قریب قریب ناممکن ہے' پھر بھی میں ان کی شخصیت کے کچھ پہلوؤں سے ایسے متاثر ہوا ہوں کہ چند کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جب تک New Critics کی تحریک ترقی پر رہی فنکار کی شخصیت پر کچھ کہنا حرام تھا۔ لیکن اب ہم اس بات کو قائل ہو گئے ہیں کہ فنکار اور اس کے فن کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ رقص اور رقص کرنے والا دو الگ چیزیں نہیں ہیں۔ یہ سمجھ میں آنے لگی ہے کہ فن اپنے واضح مطلب کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہے۔

فن ایک خاص سطح پر آگاہی ہے۔ ایک قسم کا شعور عطا کرنے والا ہے اور کوئی فن محض اس لیے کامیاب نہیں ہوتا کہ وہ بڑی خوبی کے ساتھ آگاہی کی اس سطح کو بیان کر رہا ہے بلکہ اس کی عظمت اس میں ہے کہ وہ سطح بجائے خود ایسی ہو جو گہری ہو اور ارفع اور اعلیٰ بھی۔

مشرق کو ازل سے ہی یہ بات معلوم ہے کہ روحانیت کی بنیاد ایک فنکار کے لیے ناگزیر ہے کیونکہ تخلیقی قوت خود روحانیت کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ بانو قدسیہ میں روحانیت کی صلاحیت بہت زیادہ ہے۔ روحانیت سے میری مراد کسی خاص مذہب یا رسم ورواج کی پابندی نہیں بلکہ ایسی روحانیت جو زندگی کی فراوانی سے پیدا ہوتی ہے۔ شدید طور پر وقوف کردہ محبت سے جنم لیتی ہے۔ بے غرضی سے اُبھرتی ہے۔

عورت کی زندگی بجائے خود اس کا فن ہے۔ بانو قدسیہ اس حقیقت کو سمجھتی ہیں' اسی لیے وہ لکھنے سے کسی قدر بدکتی ہیں۔ لیکن ان کی وسعت نظر اور روحانیت کی فراوانی نے ہمیں نہ صرف کسی ایک زندگی کی بصیرت بخشی ہے بلکہ کئی زندگیوں میں جھانکنے کا موقعہ دیا ہے۔ اپنی کہانیوں میں اُنہوں نے اس بات کو واضح کیا ہے' جو ہر ایک پر واضح ہونی چاہیے کہ ہمارا کام صرف آزادیٔ نسواں نہیں ہے' بلکہ اصل مسئلہ روح کی نجات کا ہے۔''

خاں صاحب جس طرح دسترخوان پر دال چپاتی بھی دوسروں کے ساتھ مل کر کھانے میں خوشی محسوس کرتے ویسے ہی بابا جی کو بھی دوسروں سے share کرنے میں اُنہیں راحت ملتی۔ ایک روز میں نے باب ہیز کو جیپ کے لیے باہر والے برآمدے میں منتظر پایا۔

''کہاں کے ارادے ہیں باب؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں؟''

''میں اور خاں صاحب تو بابا جی نور والے کے پاس جا رہے ہیں۔''

باب نے ہولے سے جواب دیا ''مجھے معلوم نہیں مجھے اشفاق تیار رہنے کے لیے کہہ گئے ہیں۔''

میں نے خاں صاحب کی Surprise ضائع کر دی۔ ہم تینوں نے دھرم پورہ کا رُخ کیا۔ ڈیرہ پاک کے باورچی خانے کی سڑک کے اردگرد اللہ کی مخلوق ہمیشہ کی طرح بے ترتیب گروپوں میں بٹی تھی۔ بکریاں چر رہی تھیں۔ کچھ لوگ گھاس کھودنے تراشنے میں مصروف تھے۔ خاں صاحب آگے آگے تھے۔ کچھ فاصلے سے شفقت بھری آواز میں کہا:

''السلام علیکم بابا جی..... آج میں آپ کے لیے ولایت سے ایک مہمان لایا ہوں۔''

بابا جی نے دایاں بازو اُٹھا کر سلام کا جواب دیا۔ ''نور والے! بیٹا ولی ہمیشہ ولایت ہی سے آتے ہیں۔''

خاں صاحب نے یہ جملہ ترجمہ کر کے باب کو سنایا تو اُس کا چہرہ سردی کے باوجود پسینے سے بھیگ گیا۔

''آؤ پت آؤ!''

ہم نے بیٹھنے کی کوشش کی تو بابا جی بولے ''یہ آدمی کھرا ہے..... اسے نیچے لے جائیں..... ہم ابھی آتے ہیں۔''

ڈاکٹر فاضلی ہمیں نیچے لے گئے جہاں ہم نے ہمیشہ کی طرح سیر ہو کر لنگر کھایا۔ سرخ چائے پی۔

ملاقات یہاں ہی بابا جی سے ہوئی۔

''آ جاؤ آ جاؤ بلکہ ضرور آ جاؤ۔''

''میں آپ کو اپنی کچھ نظمیں دکھانا چاہتا تھا بڑی چھوٹی عمر سے یہ نظمیں میرے اندر کلبلاتی رہی ہیں دیکھیں گی۔''

کچھ دیر بعد اسی برکلے پروگرام کے سلسلے میں ایک لڑکی جس کا نام Cathy تھا، ہمارے پاس آ گئی۔ خاں صاحب نے اُس کا نام ''نوری'' رکھ دیا۔ بھولی بھالی صورت، کھوئی کھوئی سی مورت نیچے گول سیڑھیوں کے پاس رہتی۔ جب کسی کو وقت ملتا وہ اُس سے باتیں کر لیتا ورنہ لاتعلقی کے ساتھ فضاؤں میں جھانکتی رہتی۔ وہ آرام سے کمرے میں ہی رہنے لگ پڑی۔

Cathy کے بعد برکلے طالب علموں کے Exchange پروگرام کے سلسلے میں ایک اور لڑکی ماڈل ٹاؤن ہی میں ایک گھر میں رہائش پذیر تھی۔ وہ ہمارے گھر آتی جاتی۔ کبھی کبھی رات بھی رہ جاتی۔ ایک

ب ہیزان دونوں کا نمائندہ بن کر ہمارے پاس آیا۔ خاں صاحب دھوپ میں بیٹھے مونگ پھلیاں کھانے میں
تھے

"اشفاق! اگر تمہارے لیے تکلیف نہ ہوتو فرید الدین گنج شکرؒ کے مزار پر لے چلو۔ مارسیا وہاں پاکپتن شریف
پر حاضری دینا چاہتی ہے..... لیکن اگر نہ جا سکو تو ہمیں ٹرین پر سوار کرا دو..... ہم خود چلے جائیں گے۔"
خاں صاحب نے فوراً ساتھ چلنے کی حامی بھر لی۔
میں دل میں سوچنے لگی کہ یہ لوگ کون ہیں۔ ان کا امریکہ کی اکثریت میں کیا مقام ہے۔ کیا مادی ترقی کے داعی
یہ لوگ الٹا پہیہ چلا رہے ہیں؟ سائنسی ایجادات کے زمانے میں روح کی قدرح کے متلاشی ہیں؟
خاں صاحب نے اپنی بڑی آپا فرحت کو اطلاع دی تو انہوں نے جواباً فون پر کہا کہ مہمان ایک رات آپا کے
ہوں گے۔ پھر دوسری صبح وہ اپنی گاڑی پر ہمیں بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے مزار پر بھجوا دیں گی۔
شیڈول کے مطابق ہم منٹگمری پہنچے۔ ابھی اس کا پاکستانی نام ساہیوال نہ چلا تھا۔ صبح تیار ہو کر ہم پاکپتن شریف
بہشتی دروازہ دیکھا۔ سب اپنے اپنے طور پر مگن ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد میں نے مارسیا کو دیکھا تو میری تعجب
نکل گئی۔ مارسیا کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ اس کی نیلی پتلیاں غائب تھیں اور آنکھ کا صرف سفید حصہ نظر آ رہا
کر خاں صاحب کے پاس پہنچی۔ وہ دونوں مزار کے باہر بیری کے درخت تلے کھڑے تھے۔ سنا ہے بابا جی فرید
بیری تلے کھڑے آسمان سے رحمتوں کے نزول کا انتظار کیا کرتے تھے۔
"خاں صاحب! وہ جی مارسیا کو کچھ ہو گیا ہے۔ وہ کچھ بولتی نہیں۔"
لیکن خاں صاحب نے اپنی توجہ بیری پر رکھی۔ اس میں سرایت کیے ہوئے بابا جی کے معجزاتی کشف و کمال کی
جہ ہے۔ باب ہیز دیکھتے دیکھتے آگے بڑھا اور اس نے اپنی سگریٹ کی ڈبیا ایک شاخ پر لٹکا دی۔
"اشفاق! آپ ہولی مین کو کیا نذرانہ دے رہے ہیں؟"
خاں صاحب نے فوراً اندر کی پاکٹ سے اپنا پرس نکالا اور پوچھا..... "کتنے پیسے باب؟"
باب مسکرایا..... "یہ نذرانہ نہیں اشفاق..... کوئی اپنی خراب عادت یہاں اس کی دہلیز پر چھوڑ جاؤ تو اس کا دل خوش
ہو وہ سامنے گولڈ فلیک کی خالی ڈبیا..... میں نے ہولی مین سے وعدہ کیا ہے کہ اس کے بعد میں کبھی سگریٹ کو ہاتھ
کروں گا۔"

خاں صاحب غالباً اس وعدے کے لیے تیار نہیں تھے لیکن وہ کسی امریکن سے بازی ہارنا بھی نہیں چاہتے تھے۔
نے اپنی جیب سے سگریٹ نکالے اور جس طرح کوئی اپنی من چاہی محبوبہ کو کھڑا چھوڑ کر جاتا ہے ایسے ہی ڈبیا کے
ت گئے ڈبی کو چوما اور ایک شاخ پر لٹکا دیا۔
سگریٹ چھوڑنے کے بعد برسوں خاں صاحب ان سگریٹوں کے لیے تڑپے، تلملائے، پریشان رہے۔ اس
کے بیس برس بعد انہوں نے ایک روز مجھ سے کہا "قدسیہ! ابھی بھی مجھے یہ چھوڑی ہوئی منزل یاد آتی ہے۔ جس
ے میں کوئی سگریٹ پی رہا ہو وہاں بیٹھ کر مجھے آنند ملتا ہے..... دھواں اندر جاتا ہے، خوشبو سے سابقہ پڑتا ہے تو مجھے

بڑی راحت ملتی ہے۔"

واپسی پر ٹرین کے سفر کے دوران مارسیا پر گویا کسی گم سُم مجذوب کی کیفیت طاری تھی۔ باب اُسے زبردستی سے لے کر آ گیا۔

گھر پہنچے تو مارسیا اور باب میرے پاس باورچی خانے میں آئے۔

"یہ آپ کو انفورم کرنے آئی ہے؟"

"کیا؟"

"یہ دہلی جانا چاہتی ہے۔ اسے نظام الدین اولیاءؒ نے بلایا ہے۔"

"یہ مجھے کیوں انفارم کرنا چاہتی ہے۔ باب! تم جانتے ہو میں روحانیت کے سفر کو نہیں جانتی۔"

"بات یہ ہے قدسیہ! کہ یہ سمجھتی ہے آپ اسے پاکپتن شریف لے کر گئیں، وہیں اس کا مسئلہ فیصلے کو پہنچا۔"

میں نے معاملہ خاں صاحب کے سامنے پیش کیا تو وہ بولے..... "بھائی جو یہ چاہتی ہے کرے۔ جن کے گھر ٹھہری ہوئی ہے اطلاع دے۔ میری حیثیت صرف اتنی ہے کہ جس کی جو تلاش ہو اُسے راستہ بتا دوں..... باقی چیزوں نے خود ہی ہے۔"

ہمارے گھر کے پچھواڑے جہاں بعد میں تاکستان لگا اور اس کے بعد کب ب پارٹی کے لیے جگہ بنائی گئی صاحب کباچیے بن کر سیخوں پر کباب لگاتے گویا صدیوں سے یہی پیشہ رہا ہو۔ ابھی سٹوڈیو اور سرونٹ کوارٹر کے درمیان خالی جگہ میں مکئی کا کھیت لگا تھا۔ جس روز وہ ہم سے رخصت ہوئیں مارسیا مجھے پچھواڑے لے گئی۔ اس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ مکئی کے کھیت میں کیوں جا رہی ہے۔

وہ کچھ دیر یہی کھڑی رہی۔ شاید چاہتی تھی کہ میں کہیں اِدھر اُدھر ہو جاؤں لیکن میں نے اسے اپنی شرط نوازی سمجھا کہ میں اس کے ساتھ چمٹی رہوں۔

اُس نے بچوں کی سی Sheepishness کے ساتھ اُونچے اُونچے مکئی کے ٹانڈوں میں اِدھر اُدھر سے کپڑوں کی چھوٹی سی گٹھڑی نکالی۔ یہ کیچڑ کی طرح میلے کپڑے تھے۔ وہ انہیں نکال کر بولی..... "مجھے افسوس ہے جب آئی تھی میں نے اپنے میلے کپڑے یہاں چھپا دیے تھے۔"

"کاش تم مجھے یہ کپڑے دے دیتیں تو میں انہیں دُھلا دیتی۔"

وہ سر جھکائے آہستہ سے کیتھی کے ساتھ رخصت ہو گئی۔ وہ اس دنیا کی روح نہ تھی۔ اُس نے کسی کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کی۔

مارسیا چلی گئی۔ باب ہیز کے جانے سے کچھ دیر پہلے ایک اور بم پھٹا۔ ہوا یہ کہ ہم سب لان میں بیٹھے تھے باب نے خاں صاحب سے کہا "اشفاق! مارسیا کی اطلاع آئی ہے۔"

"خیریت سے ہے؟"

""بالکل خیریت سے! اُس نے نظام الدین اولیاؒ کے دربار پر قبولِ اسلام کر لیا ہے اور اب وہ ہماری Sister in ... ہے۔""

نوری نے واپسی کا ٹکٹ کٹا لیا۔

بہت عرصہ بعد ماریا ہمارے گھر اچانک آ گئی اور اُس نے ہمیں اطلاع دی کہ اُس نے پشاور میں ایک فیوڈل ... سے شادی کر لی ہے۔ بعد میں یہی شوہر وزیر بن گیا اور ماریا کی عزت میں اضافہ ہوا ہے۔ وہ دو تین بار پھر ... اس گھر کا حصہ بن گئی۔ نہ جانے اُسے زندگی بہا کر کہاں لے گئی؟ اُس کی اسلام پسندی نے اُس کے لیے کیا کیا ... پیدا کیں اور کیا کیا مشکلات کھڑی کیں؟

میں نے ایک دن ازراہِ گفتگو خان صاحب سے کہا۔

""خان صاحب! یہ امریکن لوگ کیا بلا ہیں۔ جو چاہتے ہیں جس طرح چاہتے ہیں کر لیتے ہیں۔ انہیں اتنی ... کے قانون نے دی ہے معاشرے نے عطا کی ہے یا فیملی سسٹم ٹوٹنے سے ہوئی ہے؟""

""تینوں نے مل جل کر لیکن اب یہ اُن کا Way of life ہے۔ وہ آزادی کی خاطر سب کچھ قربان کر سکتے ... چیز حتیٰ کہ اپنا مذہبی عقیدہ بھی۔""

""اشفاق جی! لیکن اتنی آزادی سے بے راہ روی کا راستہ بھی تو کھلتا ہے۔ آدمی خود غرضی کی بھینٹ بھی ... ہے۔""

""بالکل بالکل وہ بھی ممکن ہے اور ہوتا ہے لیکن یہی آزادی انہیں بالآخر اسلام سے بھی ہمکنار کرے گی۔ ایک ... میں نکلیں گے جیسے ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی، افریقہ کے جنگل، الاسکا میں تیل کی تلاش کرتے ہیں..... پھر انہیں ... بھی کہیں نہ کہیں اسی تلاش کے دوران مل جائے گا۔ سکون کی تلاش، اطمینان کی تلاش انہیں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ... م کا علم پکڑا دے گی۔""

میں اُن کی بات کو پورے طور پر سمجھ تو نہ پائی لیکن اثبات میں سر ہلا دیا۔

""میں بار بار کہتا ہوں کہ اب اسلام کی ترویج اور اشاعت کہیں الاسکا کے بندے کسی یورپین کسی امریکی یا ... ن کی ذمہ داری ہوگی..... وہ ایک کلمہ پڑھ کر سارے کا سارا مسلمان بن جائے گا، اپنی مرضی سے۔ ہم لوگ جو پیدائشی ... ن پیدا ہوئے ہیں اسلام کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں۔ ہم اس کا جھنڈا اُٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ ہم نہ مساوات پر کیٹس ... سکے نہ کبھی ہم نے بھائی چارے ہی کا سبق سیکھا۔ جب بنیادی اصول ہی ہم سمجھ نہیں پائے تو ہم اس کی ترویج اور ... ت کا بوجھ کیونکر اُٹھا سکتے ہیں۔""

میں ابھی تک لباس، زبان اور رہن سہن میں اسلام کو مقید سمجھتی تھی۔ مجھے جینز اور شرٹیں پہنے ہوئے مسلمانوں پر ... بھر اعتبار نہ آتا تھا۔

باب ہیز ہر بات برداشت کر لیتا تھا لیکن امریکہ پر اگر کسی قسم کی تنقید کی جاتی تو وہ آپے سے باہر نکل جاتا۔ اُس ... ہرا سرخ ہو جاتا۔ وہ استدلال کی لائن چھوڑ کر اُلٹی سیدھی شیام گھات پر مجبور ہو جاتا۔ اُس کی ساری فراخدلی اور

لبرل نظریات خاک میں مل جاتے۔

ایسے ہی ایک دن اُس پر منفی موڈ طاری تھا۔ میں نے احمق پن سے بھونڈوں کے کھکھر کو چھیڑ دیا تھا اور امریکہ کے معاشرتی نقائص سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

اُس وقت تو وہ خار کھا کر اپنے کمرے میں غائب ہو گیا لیکن شام کو جب میں ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی تو میرے پاس آیا اور فتح مندی کے انداز میں کہنے لگا۔

"قدسیہ آپا یہ بتائیے کہ اسلام کا Essence کیا ہے؟"

میں سمجھی کہ سیدھا سا جواب ہے۔ میں نے جواب دیا "توحید"۔

"لیجیے یہ تو سبھی مذاہب سکھاتے ہیں۔ کیا یہودی دو خداؤں کو مانتے ہیں؟ کیا عیسائی توحید پرست نہیں ہیں؟ یہاں تک جانتا ہوں ہندو مذہب میں جہاں بتوں اور کفر کا فتویٰ آپ لگا سکتی ہیں وہاں بھی ایشور کا تصور موجود ہے۔ بتائیں کہ اسلام میں وہ کون سی خوبی ہے جو اسے دوسرے مذاہب سے ممیز کرتی ہے؟"

"بھائی چارہ..... یہ روایت جب انصار نے مہاجرین پر سب کچھ قربان کیا یہاں تک کہ ان کو اپنی جائیداد میں بھی شریک ٹھہرا لیا۔ یہ روایت کہیں اور نہیں ہے۔"

"لیکن کون سا مذہب ہے جو Universal Brotherhood نہیں سکھاتا۔ کیا عیسائیوں میں بھائی چارہ نہیں ہے؟ کیتھولک کیا ایسے نہیں ہیں؟ ہم ایک خدا میں تین سمتوں کا تعین ضرور کرتے ہیں لیکن بھائی چارہ تو ہم میں بھی طرح کم نہیں..... اسرائیل کی طرف دیکھیے۔ کس کس دیس سے یہودی آ کر آباد ہوئے ہیں۔ وہ تن من دھن سے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ چھوڑیے آپ لوگ ایسے ہی احساسِ برتری کا شکار ہیں..... اصل میں آپ کا مذہب بھی پچھلوں کی کہانیاں ہیں اور کچھ نہیں۔"

مجھے باب کی بات برچھی کی طرح لگی۔

اس وقت دونوں وقت مل رہے تھے۔ آسمان پر ہلکی سرخی مائل زردی غائب ہونے کو تھی۔ باہر اس جھٹ پٹے عالم میں پرندے گھروں کو ڈار در ڈار لوٹ رہے تھے۔ میں نچلی سی احساسِ کمتری میں مبتلا لمبے شیشے والی دیوار کے کے سامنے جا کھڑی ہوئی..... مجھ میں اتنا علم نہ تھا کہ میں باب سے مناظرے میں جیت جاتی۔ اور اس ہار کا مجھے سے افسوس تھا۔

ہمارے سامنے کی لان میں سندری کا ایک درخت ہوا کرتا تھا۔ سندری کے درخت سے سارنگی کا ساز بنتا ہے۔ اس کی لکڑی بہت قیمتی شمار کی جاتی ہے۔ ساگوان سے بھی مہنگی..... سنا ہے اس درخت کے تنے میں رات کے درد کی آواز سنی جا سکتی ہے۔

میں اس کی طرف نمناک آنکھوں سے دیکھ رہی تھی کہ یکدم سارا درخت روشنیوں سے بھر گیا۔ اس کا پتہ پتہ شاخ، تنا ان دیکھے نور سے جگمگانے لگا..... اور پتہ نہیں اس کے اندر کے سُر مجھ تک پہنچے یا مجھ پر وجدان کی کیفیت طاری ہو گئی۔ مجھے اسلام کا نچوڑ پتہ چل گیا۔ ایسا Essence جو کسی اور مذہب میں موجود نہ تھا۔ میں نے بھاگ کر فتح مندی

...ھنایا۔

"...ب دروازہ کھولو..... مجھے جواب مل گیا ہے دروازہ کھولو۔"

...ہاتھ میں جھاڑن لیے وہ باہر نکلا اور ابرو اُٹھا کر بولا..... "ہاں! کیا بات ہے؟"

"تم نے پوچھا تھا کہ اسلام کا وہ کون سا وصف ہے جو اسے دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے۔"

"ہاں تو؟"

"اسلام نے رزقِ حلال و حرام کا تصور دنیا کو دیا ہے..... یہ تصور کسی اور مذہب میں نہیں۔ دوسرے مذاہب میں Comman... میں اوامر اور مناہی کی فہرست ہے لیکن کہیں حرام و حلال کا تصور نہیں۔"

"ہمیں رزقِ حلال کمانے کی تاکید ہے..... چوری چھپے کی آشنائی حرام..... ہم دو دو تین تین بیویاں رکھ سکتے ... Living together نہیں کر سکتے..... غصہ حرام ہے..... طیش میں آنا حرام ہے..... مایوسی حرام ہے۔"

وہ چپ ہو گیا..... میں خود بھی حرام و حلال کی جزئیات سے ناآشنا تھی اسی لیے بحث بند کر دی گئی..... باب ہیز ... مجھ میں ایک بیج بو گئی۔ وہ پاکستان سے چلا گیا اور کچھ برسوں بعد اُس دن کے گیان نے "راجہ گدھ" کی صورت ... یقین جانیے راجہ گدھ جسے خاں صاحب نے نہیں پڑھا اور جسے میں نے نہیں لکھا کہیں سے مجھ پر وارد ہو گئی تھی ... ان واتوں کا کوئی عقلی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔

ایک روز بغیر دستک دیئے میں باب کے کمرے میں چلی گئی۔ مجھے خیال تھا کہ وہ کہیں گیا ہوا ہے اور میں صفائی ... ساتھ اُس کے صاف کمرے کو مزید صاف کروانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ وہ بغیر کپڑوں کے آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔

"سوری باب! ویری سوری۔"

"کوئی بات نہیں..... لیکن کبھی میرے کمرے میں دستک دیئے بغیر آنے کی کوشش نہ کیجیے نہ آپ نہ کوئی اور۔"

میں نے حیرانی سے اُس کی طرف دیکھا۔ یہ کیسا مہمان تھا جو مجھے حکم دے رہا تھا۔ میں نے دل میں سوچا یہ ... قوم لوگوں کا احساسِ برتری ہے جو ہر وقت براؤن اور سیاہ قوموں کو عقل سکھانے میں مشغول رہتے ہیں۔

اُس نے میرا مشکوک چہرہ دیکھ کر کچھ قیافہ لگایا اور بولا..... "آپ مجھے ایک جھاڑن عطا کر دیں۔ میں اپنے ... کمرے میں تاکی بھی پھیر لوں گا اور اس کی ڈسٹنگ بھی کر لوں گا۔ بس کوئی میرے کمرے میں تشریف نہ لائے۔"

"لیکن کیوں؟"

"بات یہ ہے کہ میں آپ کو بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن میں تمام کپڑے اُتار کر Levitation کی مشق کرتا ہوں۔ ... میں زمین سے چند گز اُوپر اُٹھ سکتا ہوں لیکن آپ یہ منظر دیکھ کر ڈر جائیں گی اس لیے میں آپ کو پہلے ہی Warn ... رہا ہوں۔"

یکدم میرا دھیان شبِ معراج کے عظیم معجزے کی طرف مبذول ہو گیا اور میرے دل میں باب کے لیے قدرے ... کا مقام پیدا ہو گیا۔

"مبارک ہو باب! جو بھی تمہارا راستہ ہے کاش تمہیں اس پر چل کر سکون اور اطمینان حاصل ہو۔"

وہ ہولے سے مسکرایا اور بولا ''اطمینان اور سکون نہ ملے تو کوئی چلتا ہے ایسے راستے پر..... لیکن ایک شرط ہے آدمی چلتا رہے۔ تبدیل نہ ہو۔ استقامت کے ساتھ لگن کے ساتھ آنکھیں موند کر۔ اندر سیڑھی اُتار کر..... باہر سے توڑ کر اندر جوڑ کر..... Paul Tillich (پال ٹلش) اس کا پہلا گرو تھا۔ اُس کے مرنے کے بعد Eck Anker [illegible] ڈارون دے رہا ہے۔''

''اچھا باب..... جو کچھ بھی ہے جس طرح بھی ہے تمہیں مبارک ہو۔''

باب ہیز واپس امریکہ چلا گیا تو [illegible] نے خاں صاحب [illegible] مضمون بھیجئے جن سے اس تحریک [illegible] جا سکتا ہے۔ تبت کے ایک لامہ کی ایجاد کردہ تحریک ہے جسے رہزار (Rehzar) کے نام سے پکارتے ہیں اور جس امریکن [illegible] پال ٹلش نے [illegible] اس راستے پر چلنا سیکھا۔

[illegible]

سارا [illegible] [illegible] ہو جا چکا تھا [illegible] تھی۔ ہم دونوں [illegible] تھے [illegible] کس طرح خدا [illegible] [illegible] باپ کو [illegible] تک چھوڑ [illegible] میں [illegible]

''[illegible] آپ کی [illegible]'' [illegible] بولی۔

لیکن ماموں صاحب باب ہیز سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے اور [illegible] دیا۔

''کیا تم ہمارے ساتھ [illegible]..... '' باب نے [illegible] سے ہم اسے طویلہ [illegible] کے تولیہ پر کوئی اعتراض نہ کیا۔

راستے میں [illegible] اس نے میرا ہاتھ [illegible] سے کہا ''[illegible] مجھے معاف [illegible] میری نیت ہمیشہ میں اپنے [illegible] نہیں بھولوں گا [illegible] تمام تصویروں [illegible] لگاؤں گا۔''

[illegible] ہم تینوں وقت سے [illegible] پہلے پہنچ گئے تھے اور ابھی چیک (check in) کرنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ [illegible] دھوپ تھی۔ لیکن دھوپ میں تپش نہ تھی۔ [illegible] کے بعد [illegible] فلائٹ [illegible] گھنٹے لیٹ ہوگئی ہے۔ ہم واپس گھر آ گئے۔

اور جب دوبارہ جانے کا وقت آیا تو تولیہ میرے پاس آئی..... ''ممی! آپ بیشک نہ جائیں۔ میں باپ کو چھوڑ آؤں گی۔ انیس آجاتا تو اُسے ساتھ لے جاتی لیکن وہ دونوں بھائی ابھی کالج سے نہیں لوٹے۔''

باب ہیز بڑے رسمی انداز میں مجھ سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔ لیکن یوں نہ سمجھئے کہ اُس نے ہم سے [illegible] دیا۔ وہ باقاعدگی سے نہیں لیکن وقتاً فوقتاً خط لکھتا رہا۔ سینڈی سے اُس کی شادی ہوئی۔ پھر دو بیٹیاں چھوڑ کر وہ کہیں [illegible] باب نے دوبارہ شادی کی اور میکسیکو میں Colme کے ایک میوزیم میں ڈائریکٹر لگ گیا۔

جب انیق وہاں گئے تو عجب سی بات ہے۔ انیق نے اُس سے رابطہ تو قائم کیا لیکن مغرب کی تیز رفتار [illegible]

بھی قائم نہ رکھ سکا۔

اینڈریوز

(Andrews)

باب ہیز کے جانے کے بعد ایک دن خاں صاحب جب اُردو بورڈ سے لوٹے تو اُن کے ساتھ کرسٹوفر (Christopher) تھا۔ موٹا نہیں لیکن مائل بہ فربہی ضرور تھا۔ چوڑا چکلا سینہ' تھوڑا سا سامنے پھیلا ہوا گول مٹول پیٹ' بھاری ہاتھ لیکن جب بھی بولتا بات کرتا' اُس کے چہرے پر معصومیت چھا جاتی۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتا تو کسی بچے کی طرح مظلوم سا نظر آتا۔ اُس کے ہاتھ میں بالکل چھوٹا سا بیگ تھا۔ اُس نے پہلے ہی دن خاں صاحب سے کہا "مجھے معلوم نہیں تھا کہ پاکستان میں اتنی سردی ہوتی ہے' میں اوورکوٹ نہیں لایا۔" خاں صاحب نے فوراً اپنا اوورکوٹ اُسے دے دیا۔۔۔۔ "تو اب آپ کیا پہنیں گے شفقو جی؟"

وہ میری کمینگی پر ہلکا سا مسکرائے اور بولے۔۔۔۔ "میرا ڈریسنگ گاؤن موٹے کمبل کا ہے۔ ایک نہیں دو گاؤن پاس ہیں وہ پہن لوں گا۔ پھر سواتی جبہ نما کوٹ بھی ہے۔" میں جانتی تھی کہ وہ اوورکوٹ واپس لینے والوں میں سے نہیں۔ اس لیے چپ ہو رہی۔ اس ٹال میل کے علاوہ کرس نے مجھ سے کبھی زیادہ بات چیت نہ کی۔ وہ خاں صاحب کے ساتھ دفتر چلا جاتا۔ وہاں سے اُسے ڈرائیور ہماری فوکسی پر شہر اور لاہور کی قابلِ دید عمارتیں دکھانے لے جاتا۔ شالیمار باغ' مقبرہ جہانگیر' قلعہ' نور جہاں کا مزار' مسجد وزیر خاں اور اندرونِ شہر کی گلیاں بازار۔۔۔۔ کبھی ڈرائیور دن بھر کی واردات بتاتا تو کچھ پتا چلتا ورنہ انفرمیشن بھی نہ ملتی۔ میں نے بھی دلچسپی لینا چھوڑ دی۔

کرس جس آہستگی سے آیا تھا ایک روز اسی بے تکلفی سے ملے بغیر رخصت ہو گیا۔ نہ کوئی شکریے کا خط نہ کوئی الوداعی جملے نہ اشک باریاں نہ زیرِ لب مسکراہٹیں۔ یہ قیام میں نے کولڈ سٹوریج میں رکھ دی اور قریباً تیس سال بعد آج نکال کر آپ کو پیش کر دی۔

ابھی کرس کو گئے چند دن ہوئے تھے کہ ایک اور امریکن ساگا پیش آیا۔

یہ تب کی بات ہے جب خاں صاحب برکلے پروگرام سے وابستہ تھے۔ یوں سمجھئے کہ یہ دور ہمیں امریکن لوگوں سے ملنے جلنے کے مواقع بہم پہنچانے کے لیے آیا۔ پہلے خاں صاحب اٹلی میں تنہائی' غریبی اور تذبذب کا ایک عہد گزار چکے تھے لیکن اُن میں ایک عجیب وصف تھا۔ حالات کیسے بھی کیوں نہ ہوں۔ اندر کیسی بھی بارشیں جل تھل کیے رکھیں۔ وہ صبر کی چادر اوڑھ فرائض سے وابستہ رزق کمانے کے لیے ضرور نکلتے۔ میں نے اُنہیں کبھی موڈ کے تابع زندگی بسر کرتے نہیں دیکھا بلکہ یوں سمجھئے کہ وہ ہمیشہ موڈ کو اپنے عزائم کے تابع کر لیتے۔ کبھی کبھی اُن کی زبان کھارنگی ہو جاتی' سارا منہ کڑوا ہو جاتا تھا' وہ ڈاکٹروں کے درپے نہ ہوتے۔ انجائنا کی تکلیف ہوئی۔ ڈاکٹری دوائیاں پیتے' گھریلو ٹوٹکے استعمال کرتے' حکیمی نسخے آزماتے' ہومیو پیتھک پڑیاں پھانکتے اور خم ٹھونک کر کام پر کھڑے ہو جاتے۔ اُنہیں حالات نے کبھی پسپا نہ کیا۔ انہوں نے کوئی کام نہ پیسے کے لالچ میں کیا نہ شہرت اُن کے لیے قابلِ اعتناء چیز تھی۔ بس کام کو وہ ہرانے کے موڈ میں

رہتے۔ گویا وہ بھی کوئی پہلوان تھا جسے دھوبی پٹڑا گرا سکتا تھا۔

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب داستان سرائے میں امریکنوں کی آمدورفت زیادہ تھی۔ ان ہی لوگوں
اینڈریوز تھا۔ تب 121-سی کے سامنے کھیت تھے۔ ایک نالہ یہاں بہتا تھا جس سے کھیتوں' سڑکوں' لانوں کو سیراب ک
کا معمول تھا۔ اسی نالے میں انیس خاں اپنی بطخیں نہلانے کے لیے لے جایا کرتے تھے اور بڑی محبت اور دُلار سے
واپس لاتے تھے۔ ہمارے گھر کے سامنے نالے کے پار کوئی کوٹھی ابھی تعمیر نہ ہوئی تھی۔ پھاٹک بھی واجبی سا پانچ فٹ کا تھا
کے آر پار دیکھنا آسان تھا۔ ابھی قانون کو اپنی گرفت میں لینے والے بے روزگار لوگ اتنی تعداد میں نہ تھے اور اگر تھے
انہیں غریبی کے ساتھ رہنا کچھ مشکل نہ تھا۔ دہشت گردی' چوری چکاری' ڈاکہ زنی' دھونس دھول دھپا سوسائٹی کا حصہ
تھا۔ ہم لوگ باہر پنکھا لگا کر لان میں سونے کے عادی تھے۔ کبھی دروازے بند کر دیئے جاتے کبھی ان کی کنڈیاں
جاتیں' کبھی پھاٹک کو تالا لگا دیا جاتا کبھی ہم بھول بھی جاتے۔ خاں صاحب کی بڑی بہن آپا فرخندہ اسی گیٹ کو ٹاپ کر
بھی آ جاتیں اور اگر ہم باہر لان میں ہوتے تو وہاں ورنہ کوٹھے پر آ جاتیں اور ہمارے پاس ہی لیٹ جاتیں۔ یہ امن کا
تھا۔ غلطیاں تب بھی ہوا کرتی تھیں لیکن اُن کا خمیازہ اتنا نہ بھگتنا پڑتا۔ یہ خوف وسوسے تب بھی جنم لیتے لیکن ان کا
زیادہ دیر کے لیے نہ ہوتا۔

ایسے ہی بھلے دنوں کی ایک صبح میں اٹھی تو گیٹ کے پار سڑک پر نالے سے متصل ایک وین کو کھڑا پایا۔
کچھ امریکی سوار تھے۔ سفری ٹولے میں سے چند اُتر کر نالے کے پانی سے نہا دھو رہے تھے۔ گرمیوں کا موسم تھا
مسافروں کی بے سروسامانی دیکھ کر میں اندر گئی۔ خاں صاحب کو بتایا کہ کچھ پردیسی ہیں۔ ان میں مرد بھی ہیں اور
بھی۔ شاید کچھ درکار ہو۔

خاں صاحب چپ چاپ باہر چلے گئے۔

ابھی بچے لان پر سو رہے تھے۔ سکول جانے کا وقت بھی نہ ہوا تھا۔ باورچی خانے کی زندگی بھی نہ جاگی
کی صبح تمازت سے ناآشنا ہلکی ہلکی ہوا میں ہولے ہولے آگے بڑھ رہی تھی۔ اچانک بڑا پھاٹک کھلا اور خاں صاحب
امریکنوں کے ساتھ اندر وارد ہوئے۔

"قدسیہ! انہیں صابن تولیے دو۔ یہ آٹھ دس دنوں سے نہائے نہیں ہیں۔"

پھر خاں صاحب جوئی اور اینڈریوز کے ساتھ اُوپر والی منزل کی طرف چل دیئے جہاں خاں صاحب کی
لائبریری تھی۔ میں نے پہلے بچوں کو سکول بھیجا' پھر مہمانوں کے لیے ناشتہ تیار کیا۔

جب خاں صاحب اپنے مہمانوں کو لے کر نیچے آئے تو یوں لگتا تھا کہ وہ مدتوں سے ان لوگوں کے دوست
چکے ہیں۔ میرا اُن سے تعارف کراتے ہوئے خاں صاحب نے کہا:

"قدسیہ! یہ جوئی ہے۔ جوئی گیون (Joey Gavin) اس کے والد لندن میں ڈاکٹر ہیں۔ اسے زندگی کے
ساتھ شطرنج کھیلنے کا شوق ہے۔ یہ تجربات کرتی رہتی ہے۔ یہ سیر و سیاحت بھی جوئی کے لیے ایک تجربہ ہے اور یہ
اینڈریوز ہے۔ یہ اپنا آپ خود سمجھا دے گا۔ اور یہ ہمارے بچوں کی نانی ہیں۔ ہم سب انہیں نانا کہتے ہیں۔"

"نہیں نہیں میں کچھ سمجھا نہیں سکتا اشفاق صاحب! میں خود سمجھنے کے لیے مشرق میں آیا ہوں۔ ہم لوگ اتنے Materialistic, Practical, Ot... ہو چکے ہیں کہ ساری ٹوٹل زندگی کو سمجھنے کے لیے ہمارے پاس درست Instru... نہیں رہے۔"

میں نے باہر نکل کر دیکھا تو وین جا چکی تھی۔ میرا خیال تھا کہ یہ لوگ ناشتے کے بعد چلے جائیں گے لیکن وین کو ... کر مجھے تشویش ہوئی۔

"وہ آپ کی وین نظر نہیں آئی؟" میں نے پوچھا۔

"وہ تو چلے گئے۔ اُن کے ساتھ یہی طے تھا۔ وہ تو اس وقت واہگہ پار کر چکے ہوں گے۔" اینڈریوز نے کہا۔

نئے مہمانوں کو میرے سپرد کر کے خاں صاحب بولے "حیران نہ ہوں قدسیہ! یہ تمہارے مہمان ہیں۔ خدائی ... نعمتوں کا شکریہ ادا کرو۔"

"کتنی دیر تک خاں صاحب؟ کتنی دیر کے لیے؟"

"چلے جائیں گے بھائی چلے جائیں گے۔ بیچارے وین ہی میں سوتے تھے۔ اُسی میں ناشتہ کھانا بناتے تھے۔ ... میں چھوٹا سا باورچی خانہ فریج سب کچھ موجود تھا..... جب وہ لوگ لینے آئیں گے تو چلے جائیں گے۔"

لیکن وین اپنا بوجھ ہمارے گھر اُتار کر پھر کبھی نہ آئی۔ شاید باقی مسافر بھارت چلے گئے۔

خاں صاحب کے جانے کے بعد مجھے یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں یہ سب C.I.A. کے مخبر نہ ہوں؟ اور اپنے طور پر ... کے کوائف حاصل کرنے کی ڈیوٹی پر نہ مامور ہوں؟ اب میں نے غور سے بڑے شک و گمان کے ساتھ اپنے ... پر نظر ڈالی۔ اینڈریوز بہت دُبلا پتلا قریباً تیس برس کا نوجوان تھا۔ جوئی نہ موٹی نہ دُبلی۔ بس درمیانے قد کی عورت ... تھی۔

اینڈریوز نے مجھ سے پوچھا "کیا یہ کسی ایمبیسڈر کا گھر ہے؟" اس تعریفی جملے نے مجھ پر خاطر خواہ وار کیا۔ ... تعریفی اور خوشامدی جملوں کے آگے کس قدر نہتا ہو جاتا ہے۔

"ایمبیسڈر کا تو نہیں ایک درویش کا گھر ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔" اینڈریوز نے ایک اور تیر چلایا۔

اور یوں داستان سرائے میں اُن کا قیام طے پا گیا۔

اب اینڈریوز اور جوئی ہمارے مہمانِ خاص تھے۔ وہ دونوں شہاب صاحب کے کاسنی کمرے میں رہتے تھے۔ ... کھاپیتے تھے کہ شطرنج کھیلتے تھے لیکن زیادہ وقت اُن کا دروازہ بند رہتا۔ ایک بات ضرور ہے کہ اُنہوں نے کبھی مجھے ... نہ کرایا۔ جونہی چائے' کھانا تیار ہوتا ایک آواز پر آن ٹپکتے' مرچوں والے سالن' پراٹھے' اچار سب کچھ جو سامنے دھر دیا ... کھا لیتے۔ اُنہوں نے کبھی کسی پکیرے پر کسی قسم کا اعتراض نہ کیا۔ دن میں ایک آدھ بار وہ سیر سپاٹے کے لیے شہر چلے ... شام کے کھانے کے بعد خاں صاحب کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے لیکن مجھ سے اُن کی بیٹھکیں کم ہوتیں۔

یہ دونوں بالآخر یہیں رہ گئے۔ پتہ نہیں ہمسفر ساتھیوں نے دغا دی یا اِن دونوں نے اچھا ٹھکانہ مل جانے پر اُنہیں